شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیرِ سرپرستی
حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوری
دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین
سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

قیمت فی شمارہ 10 روپے

شمارہ نمبر ۲ — فروری 2009ء — صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — جلد نمبر ۱

مجلسِ ادارت

صدر مجلس .... ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیر اعلیٰ .... مفتی عبد الخالق آزاد

مدیر .... محمد عباس شاد

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن ....افادات: امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ	۲
درسِ حدیث ....مولانا خواجہ عبد الحیٔ فاروقیؒ	۲
اداریہ ....مدیر اعلیٰ	۳
کیا امریکی صدر کی تبدیلی ہر چیز کو بدل دے گی؟ ....محمد عباس شاد	۳
خطبہ جمعۃ المبارک ....مفتی عبد الخالق آزاد	۴
تصوف کا خلاصہ ....حضرت شاہ عبد الرحیم رائپوری	۵
ملفوظات حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائپوری.....مولانا قاضی محمد یوسف	۵
دینی مسائل ....مفتی عبد الغنی قاسمی	۶
رفتارِ کار ....عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ	۶
ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ کا ایک سفر ....سید فرمان شاہ	۷
سبق آموز ....انجینئر عامر افتخار	۷
خطاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری	۸
دعائیہ نظم ....پروفیسر حسین احمد علوی	۸

مجلسِ مشاورت

- حضرت مولانا مفتی عبد المتین نعمانی (بورے والا)
- حضرت مولانا مفتی عبد القدیر (چشتیاں)
- حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی (لاہور)
- حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
- حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
- حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
- حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
- محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)
- محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
- محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیر جو گوٹھ)
- محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
- محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)
- محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن راؤ (سرگودھا)
- محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
- حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
- حضرت مولانا محمد ناصر عبد العزیز (جھنگ)
- حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
- حضرت مولانا عبد اللہ عابد سندھی (شکارپور)

برائے رابطہ:
رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-6307714
6369089
Web:www.rahimia.org

شعبہ مطبوعات ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

درسِ قرآن

افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

توحیدِ الٰہی کا کائنات میں پھیلاؤ

توحید ایک نظریے کے طور پر بیان کر دیئے جانے کے بعد ضروری ہے، کہ یہ واضح کیا جائے کہ یہ اصول توحید ساری کائنات میں کس طرح کارفرما ہے۔ چنانچہ سورۂ فلق میں یہی چیز دکھائی گئی ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ نے اس سورت کے مضامین کو ایک تمثیل کے ذریعے سے واضح کیا ہے۔

(۱) باغبان ایک پودا لگاتا ہے۔ اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں پودے کی طبعی دشمن ہیں، ان سے پودے کو بچانے کا سامان کرے۔ مثلاً بعض چوپائے سبزی کھاتے ہیں، یہ اُن کی طبعی غذا ہے۔ اُن کی جو طبیعت ہے، اس میں پودے کی موت پوشیدہ ہے۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو اس قسم کی چیزوں کے شر سے بچانے کے لیے اس کے گرد باڑ لگا دے۔

(۲) پودے کے بڑھنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے۔ باغبان وہ بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اگر وہ غذا بہم نہ پہنچائے، تو پودا اُسی طرح فنا ہو جائے گا، جس طرح جانوروں سے بچائے جانے کی صورت میں فنا ہو جاتا۔

(۳) بیرونی آفتیں، مثلاً برف، شدید گرمی، بجلی وغیرہ بھی پودے کو ہلاک کر سکتی ہیں۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو ان بیرونی آفتوں سے بچائے۔ اگر وہ پودے کو ان آفتوں سے نہیں بچائے گا، تو وہ جس طرح جانور کے حملے سے یا غذا کے بہم نہ پہنچنے سے ہلاک ہو جاتا، اسی طرح وہ اس آفت کا شکار ہو کر بھی ہلاک ہو سکتا ہے۔

(۴) ایک شخص کو پودے سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے، لیکن اُس کے مالک سے عداوت رکھتا ہے۔ وہ اس عناد کی وجہ سے پودے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ اگر پودے کو اس چیرہ دستی سے نہ بچایا جائے، تو بھی پودا اُسی طرح سے فنا ہو جائے گا، جس طرح پہلی تین حالتوں میں فنا ہو جاتا۔

یہ پودے کی زندگی فنا کرنے والی طبعی آفتیں ہیں

انسان کو ایک پودا مان لیا جائے، تو اسے بھی ان چاروں قسم کی آفتوں سے بچانے کی ضرورت ہوگی، انہیں ذہن میں رکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے گی، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی بدنی قوتوں کو جس قدر نقصان پہنچ سکتے ہیں، اُن سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا جائے۔ انسان کا جو تعلق کائنات سے ہے، اُس کے دو رُخ مقرر کیے جا سکتے ہیں:

(۱) انسان کو اس عالَم کی چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔

(۲) انسان کو اس عالَم کی چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

جب ایک عقل مند انسان ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھے گا، تو وہ سمجھ لے گا، کہ انسان کو کائنات سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچاؤ کی تدبیر پہلے ہونی چاہیے۔ دفعِ مضرت کے سلسلے میں کائنات کے ساتھ انسان کے جو تعلقات ہیں، وہ منضبط کر لیے جائیں اور ان میں ہر جگہ خدا تعالیٰ کی تدبیر کو کارفرما مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ انسان کا جس قدر تعلق کائنات کے ساتھ ہے، اُس کے ہر ایک حصے میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی تاثیر کام کر رہی ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں، کہ وہی انسان کو ہر قسم کے شر سے بچا سکتا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر ایک عقل مند انسان سوچتا ہے، تو یہ اثر خود بخود اس کے ذہن میں آ جاتا ہے، کہ کائنات سے جو منفعت انسان کو پہنچ سکتی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔

اس طرح کائنات کے تمام اجسام میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر و تدبیر کا ایک نمونہ ہمارے ذہن میں آ جاتا ہے۔ اور انسان اپنے بدن کی سلامتی کو دیکھ کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی سورۂ فلق کا موضوع ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ

اخلاقِ حسنہ کا نتیجہ

عن عائشة قالت : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ان المؤمن ليدرک بحسن خلقه درجة قائم الليل و صائم النهار .

’’ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ مومن اپنے اچھے اخلاق کی بدولت اس شخص کا سا درجہ حاصل کر لیتا ہے، جو رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرے اور دن کو روزہ رکھے۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب فی الرفق والحیاء، الفصل الثانی)

افسوس ہے کہ آج کل اخلاق کے اچھا ہونے پر جیسا چاہئے، زور نہیں دیا جاتا اور ہمارے واعظ سارا زور نماز روزہ پر ہی لگا کر چپ ہو جاتے ہیں، اور اگر اس سے آگے بڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ’’لڑنے کے لیے تیار رہو، ہمیں دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اگر تم نے ناک چنے نہ چبوائے تو کچھ نہ کیا‘‘۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان جب دشمنوں کے نرغے میں پھنس جائے، تو پھر لڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا مگر ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اگر ہم اپنے اخلاق درست کر لیں، تو پھر کوئی صحیح دماغ والا ہمارا دشمن ہو ہی نہیں سکتا۔

اسلام لڑائی کی اس وقت ضرورت بتاتا ہے کہ جب دشمنوں کے سر اس قدر پھر جائیں کہ باوجود ہمارے نیک اخلاق اور اچھے برتاؤ کے بھی وہ ہر وقت ہمارے ساتھ لات گھونسوں ہی سے کام لیں۔ ایسی حالت میں بھی ہمیں آپے سے باہر ہو کر نہیں لڑنا بلکہ اپنے ہوش و حواس درست رکھ کر صرف اسی حد تک لڑنا ہے کہ لوگوں کا دماغ درست ہو جائے۔ اور آدمیوں کی طرح رہنا اختیار کریں۔

اس حدیث شریف سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی آدمی اگر نماز روزہ میں تو خوب لگا رہے لیکن مزاج کا اکھڑ ہو اور ذرا سی بات میں بگڑ جائے تو اس نے اسلام کا مقصد پورا نہیں کیا۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ فرض نماز اور روزہ ادا کرنے کے بعد اجتماعی نقطۂ نظر سے اپنے اخلاق اور سیرت و کردار کی درستی کی کوشش میں لگا رہے ورنہ پھر آدمی بننا دشوار ہے۔ ایسے لوگ اسلام کے بدنام کرنے والے ہیں۔

جو شخص فرض ادا کرنے کے بعد اپنے اخلاق کے درست کرنے میں لگا رہتا ہے اور لوگ اس کی بد مزاجی سے نالاں نہیں ہیں۔ وہ اپنے حسنِ خلق اور نیک برتاؤ کی بدولت اللہ کے نزدیک وہی درجہ حاصل کر لیتا ہے، جو لوگ نفلی عبادت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانیت کے چار بنیادی اخلاق قرار دیئے ہیں، جن پر انسانی سماج کی تشکیل ہونا ضروری ہے۔ ایک مومن ان اخلاق کا نظام قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کر کے بلند مراتب حاصل کر سکتا ہے۔ وہ چار اخلاق یہ ہیں:

(۱) طہارت: یعنی پاکیزگی جسم و جان پیدا کرنا اور اس کے ساتھ پاکیزگی ذہن و دماغ بھی یعنی افکار و خیالات کا مثبت حوالے سے استعمال کرنا۔

(۲) اخبات الی اللہ: یعنی اللہ کے ساتھ ایسا سچا تعلق اور خشوع و خضوع کا اظہار کرنا کہ اس کی چاہت و محبت اور رضامندی کے لیے تمام کام سرانجام دیئے جائیں، خواہ عبادات ہوں یا معاملات۔

(۳) سماحتِ نفس: یعنی انسانی نفس میں وقار، بلندیٔ نفس، حِلم، بُردباری، عفت، صبر و استقامت کی حالت پیدا ہو۔ اور انسانیت سے گری ہوئی حرکت نہ کرنا۔

(۴) عدالت: یعنی عدل و انصاف کا ایسا ملکہ پیدا ہو کہ اس سے انسانوں کے معاشرتی، سیاسی معاشی حقوق کی ادائیگی کے لیے انسان کوشش کرے۔ پھر قومی اور بین الاقوامی سطح پر تمام انسانیت کے لیے عدل کا نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرے۔

اداریہ

دینی شعور: اہمیت اور تقاضے

دین اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے فہم وبصیرت حاصل کرنے کی ضرورت جس قدر اس دور میں ہے، شاید اس سے پہلے اس قدر نہیں تھی، طاغوتی نظام کے تسلط اور پھیلاؤ کے نتیجے میں گمراہی کا سیلاب بلاء پوری انسانیت کو اور خاص طور پر عالم اسلام کو گھیرے ہوئے ہے، ایسے ماحول میں دین اسلام کی سچی تعلیمات کا بھرپور شعور اور دینی سمجھ بوجھ کا پیدا ہونا ایک لازمی ضرورت بن گیا ہے۔

آج کی انسانیت اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہے۔ مغربی طاغوتی نظام اور سرمایہ پرستی کے ماحول نے انسانیت کی بنیادی اخلاقی اقدار کو ختم کر کے رکھ دیا ہے، سسٹم کی خرابی اور خواہشات کے پھیلاؤ کی وجہ سے لذت پرستی کی تعیشات، ظلم و جبر اور معاشی استحصال جیسی بداخلاقیاں انسانی معاشروں میں سرایت کر چکی ہیں اور سرمایہ پرستی کا گھن انسانی جوہر کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ایسے میں ایک طرف یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مغرب کی ترقیات کا مدار اس پر ہے کہ اس نے مذہب کا انکار کیا، اور لادینی بنیادوں پر معاشروں کی تعمیر و ترقی حاصل کی ہے۔ دوسری طرف مذہب کے نمائندے ہیں، جو قوموں کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کو "دنیا" قرار دے کر اس سے علیحدہ رہنے اور چند عبادات و رسومات ادا کر لینے کو "دین" قرار دیئے ہوئے ہیں۔ اور قومیں جن سلگتے ہوئے مسائل کا شکار ہیں، ان کے حل کے لیے دینی رہنمائی مہیا نہیں کرتے۔ اس طرح ہمارے معاشرے میں دو انتہا پسندانہ رویے فروغ پا رہے ہیں۔ ایک طرف جدیدیت کا عنوان استعمال کرنے والے انتہاء پسند ہیں، جو معاشرے میں دین کے حوالے سے کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور دوسری طرف مذہب کا عنوان استعمال کرنے والے انتہاء پسند ہیں۔ جو انتہاء پسندی پر مبنی متشددانہ رویوں کو فروغ دینے کا کام کر رہے ہیں۔ اور دین کو انسانی مسائل سے کاٹ کر محدود دائرے میں پیش کر رہے ہیں۔

جب کہ حقیقی صورت حال کا تجزیہ کیا جائے، تو معلوم انسانی تاریخ میں جتنی ترقیات ہوئیں اور کامیابیاں ملی ہیں، ان کی صورت گری میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا بڑا دخل رہا ہے۔ آدم سے لے کر اب تک ہر دور میں وحی الٰہی اور الہامات ربانی پر مبنی مذاہبِ حقہ نے انسانوں کی انسانیت کو نکھارا ہے، اور ان کی زندگیوں میں انقلابات برپا کیے ہیں۔ خاص طور پر آخری دین اسلام کی جامع اور کلی تعلیمات نے بین الاقوامی سطح پر انسانیت کی مجموعی ترقی اور کامیابی کا آخری اور قطعی طریقہ متعین کیا ہے۔ اس لیے مسائل کے حل کرنے کے لیے دین اسلام کے انقلابی پروگرام کو قبول کرنا ایک بنیادی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے۔

اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ فکر و نظر یہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو مگر طریقہ کار فرسودہ اور رجعت پسندانہ ہو۔ اور دور کے تقاضوں کے تناظر میں درست حکمت عملی متعین نہ کی جائے، تو زوال بھی اسی رفتار سے آتا ہے۔ آج ہمارا زوال اسی حکمتِ عملی کی فرسودگی اور بوسیدگی سے تعلق رکھتا ہے۔ دین اسلام کے سچے نظریے کو غالب کرنے کی صحیح حکمتِ عملی اپنانا ہی دور کا تقاضا ہے۔ اس کے لیے دین کا صحیح شعور اور اس پر عمل کے صحیح طریقہ کار کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اور یہ وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی زندگی سے لے کر آج تک کے علماء ربانیین، مجددین امت کی پُرجوش اور متحرک سیرت و کردار نے ہمارے سامنے اُسوۂ حسنہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ خاص طور پر ہزارہ دوم کے مجددین، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تجدیدی کردار کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں ان دو بزرگوں کی تعلیمات پر تقریباً تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ انتشار کے اس دور میں ان اولیاء اللہ کی بیان کردہ شعور پر مبنی دینی تعلیمات کا فہم پیدا کرنا، اور اس حوالے سے شعوری محنت کرنا وقت کا تقاضہ اور دور کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر اجتماعی مسائل کے حل کے لیے ولی اللّہی انداز فکر و عمل بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا صحیح فہم نصیب فرمائے۔ (مدیر اعلیٰ)

کیا امریکی صدر کی تبدیلی ہر چیز کو بدل دیگی؟

محمد عباس شاد

امریکہ کی صدارت پوری دنیا کی صدارت سمجھی جاتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ کی سیاسی، معاشی اور سفارتی پالیسیاں پوری دنیا پر اثر انداز ہوتی ہیں لیکن امریکہ میں ری پبلکن پارٹی کے صدر کی جگہ ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر آنے کے بعد دنیا میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے کی توقع کرنا زمینی حقائق سے کوسوں دور ہے۔

ہمیں اس بات سے باخبر ہونا چاہیئے کہ امریکہ میں صدر یا پارٹی بدلنے سے پالیسیاں اور ادارے نہیں بدلتے اور امریکی صدر حادثاتی طور پر منتخب نہیں ہوجاتا بلکہ وہ ایک جماعت کا نمائندہ ہوتا ہے جو برسوں اپنے ملک کے سسٹم کے اندر رہ کر اپنی ایک پالیسی بنا رہی ہوتی ہے اس کے دنیا بھر کے لیئے اپنے سیاسی، معاشی اور سفارتی منصوبے ہوتے ہیں، ان کے اپنے تھنک ٹینکس ہوتے ہیں جو دنیا کو اپنی پالیسیوں کے مطابق چلانے کے لیئے آنے والے پچاس سالوں کا پروگرام بنائے بیٹھے ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی ہمارے علم میں رہنی چاہئے کہ امریکہ کی کرسئ صدارت تک پہنچنے کے لیئے جن قوتوں کی مدد درکار ہوتی ہے وہ اپنے مفادات سے قطعاً غافل نہیں ہوتیں، جو طاقتیں صدر کو منتخب کرواتی ہیں وہ دنیا کو دیکھنے کے لیئے اپنی عینک بھی فراہم کرتیں ہیں تاکہ صدر امریکہ وہی کچھ دیکھے جو وہ دکھائیں اور دنیا کو اسی طرح سے چلائے جیسے وہ چاہیں۔ کیا صدر اوباما کے آنے کے بعد امریکی پالیسیاں افغانستان، عراق، فلسطین، کیوبا، وینزویلا، ایران اور تیسری دنیا کے دیگر ممالک کے بارے میں بدل جائیں گی؟۔

نئے امریکی صدر بیرونی دنیا کو چھوڑ کر شائد خود امریکہ کے اندر بھی بالا دست طبقات کی مرضی کے خلاف کوئی جوہری تبدیلی نہ لا سکیں کیونکہ امریکہ میں 30 کروڑ امریکیوں میں صرف بمشکل 2 کروڑ افریقی امریکی ہیں جنہیں پہلی بار 1965 میں ووٹ دینے کا حق ملا ہے گویا اوباما کو منتخب کرنے میں بھی نسلی تفاخر کے علمبردار گوروں کا ہی ہاتھ ہے اور اسی ہاتھ پر کالے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنی سرمایہ دارانہ جمہوریت کو دنیا کے سامنے معتبر بنا سکیں۔

ہمارے بعض دانشور گوروں کی اس فراخ دلی پر مرعوب نظر آتے ہیں کہ گورے امریکیوں نے ایک کالے کو صدر منتخب کر لیا ہے لیکن یہ تو آج ہو رہا ہے ہم نے تو صدیوں پہلے اعلان کر دیا تھا کہ گورے کو کالے پر فضیلت نہیں امریکہ میں تو ابھی کل غلامی کا قانون ختم ہوا ہے ہم نے تو ہزار سال پہلے سے غلاموں کو اپنے سر کا تاج بنا لیا تھا اور انہیں علم اور حکومت کی مسند پر بٹھا دیا تھا، لہٰذا ہمارے پاس اپنا نمونے کا سنہری دور موجود ہے۔

پاکستانی جو امید لگائے بیٹھے تھے کہ اوباما کے آنے سے پاکستان کی خودمختاری کو تسلیم کر کے اس کی جغرافیائی حدود کا احترام کیا جائیگا دنیا نے دیکھا کہ ابھی اوباما کے صدارتی حلف کی گونج بھی تحلیل نہیں ہوئی تھی کہ وزیرستان کے علاقے میں میزائل حملہ کر دیا گیا اور اب تک کئی ایک حملے ہو چکے ہیں۔ یہ حملے تو امریکی اور نیٹو افواج سرحد پار سے آ کر کر رہی ہیں اگر ہماری حکومت نے قومی سلامتی کا کوئی واضح لائحہ عمل نہ طے کیا تو ہم اپنی سلامتی کے لئے خدا سے دعا گو ہیں۔ پاکستانی حدود میں امریکی حملوں پر اپنے حکمرانوں کے احتجاجی بیانوں پر زیرلب مسکرایا ہی جاسکتا ہے کہ غیر خودمختار اور تابع فرمان حکمرانوں کے احتجاج کی کیا حیثیت ہے۔ ہمیں امریکی صدر کی تبدیلی سے کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے ہمارے دن اسی روز بدلیں گے جب ہمارے اندر سے تبدیلی آئیگی اور اس تبدیلی کے خالق ہم خود ہوں گے ہماری قومی تبدیلی ہی ہمارے حالات کی تبدیلی کی ضامن ہوگی یہی تبدیلی ہمیں انٹرنیشنل تبدیلیوں کے برے اثرات سے بچا سکے گی۔

خطبہ جمعۃ المبارک

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب
ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

(مورخہ 16 جنوری 2009ء بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط و تحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد: قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً. یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً. صدق اللہ مولانا العظیم.

معزز دوستو!

انسانیت کی ترقی اور کامیابی میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ انسان کی زبان سے نکلا ہوا جملہ یعنی اس کے اقوال اور اس کی زندگی میں کیے گئے کام دونوں درست طریقہ پر انجام دیئے جائیں۔

ایسا قول و فعل، جو دنیاوی اور اخروی فائدے اور ترقی کے نتائج پیدا کرے، وہی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے۔ دنیا میں یہ بات کامیابی کی خیال کی جاتی ہے کہ انسان زبان کا پکا ہو اور اس کے عمل میں پختگی اور مہارت ہو۔ اسی طرح آخرت میں بھی وہی قول و فعل اور زبان سے نکلے ہوئے جملے نتائج پیدا کرتے ہیں، جو سچائی پر مبنی ہوں، حقائق کی بنیاد پر ہوں، جن میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ انسانیت کی خیر خواہی اور اللہ سے تعلق کے جذبہ سے انسان بات چیت کرے اور اپنے اعمال کو منظم کرے، اپنے کردار اور سیرت کی درستگی کے لیے کردار ادا کرے۔ یہ چیز بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآنِ حکیم نے انسانی افعال و اقوال کی اہمیت بیان کی ہے اور سب سے بڑی چیز، جس سے انسان کا پتہ چلتا ہے، وہ اس کا قول و فعل ہے۔ انسان جب گفتگو کرتا ہے، تو اس سے انسانیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان جب کوئی کام کرتا ہے، تو اس کے اسلوب کار سے بھی انسانیت کا اظہار ہوتا ہے۔

جانور اور انسان میں یہی فرق ہے کہ جانور اپنے فعل کے اظہار کے لیے کسی درست اسلوب کو نہیں اپنا سکتا۔ لیکن انسان اپنے ارادے کے اظہار کے لیے درست طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح جانور کا فعل کسی نظم اور قاعدے کے تحت نہیں ہوتا اور اس میں اس حوالہ سے کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی ہے کہ وہ گرد و پیش کے ماحول میں کوئی نتیجہ پیدا کر سکے۔ جب کہ انسان کا عمل، مہارت اور اس کی استعداد جانور کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے اور زیادہ عمدہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال و اقوال کو درست کیے بغیر کیسے انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ انسانیت کے اظہار کے لیے اگر یہ دونوں چیزیں یعنی اس کے اقوال و افعال منفی بنیادوں پر ہوں، تو گویا کہ وہ انسان حقیقت میں انسانیت کے مرتبہ پر فائز نہیں ہے۔ اس کی زبان سے جھوٹ پر مبنی بات نکلتی ہے، وہ حقائق کے منافی بات کرتا ہے۔ اس کی بات کے پیچھے مقاصد حسد اور بغض کے ہیں۔ اور ظلم کا اظہار کر رہے ہیں۔ تشدد اور نفرت کی نشاندہی کر رہے ہیں، انسانی حقوق کی پامالی کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔

اگر اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ و اقوال ان منفی خصوصیات کے حامل ہیں، تو یہ سب افعال و اقوال درحقیقت انسانیت کی توہین ہیں۔ ان کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ تمام منفی نوعیتیں حضورؐ نے ایک جملہ میں بیان فرما دی ہیں کہ ان تمام کی بنیاد جھوٹ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ "رأس کل خطیئۃ الکذوب" (تمام گناہوں کی جڑ جھوٹ کی عادت ہے) جھوٹ بولنا یا قبول کر لینا، اسی طرح حقائق کے منافی باتوں کو تسلیم کر لینا یا ان باتوں کو انسانی معاشرے میں رواج دینا یہ انسان کی بہت بڑی ناکامی ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے کاروبار میں ہم انسانوں کے ساتھ لین دین کرتے ہیں، اس میں بھی ہم اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں کہ جو ہم سے معاملہ کرنے والا ہے، وہ حقائق سے منافی تو بات نہیں کر رہا، جو معاہدہ کرنے چلا ہے، وہ اس کا پاس دار بھی ہے یا نہیں۔ اس کے رویے کیسے ہیں؟ اگر وہ حقائق کے منافی بات پیش کرتا ہے تو ہم کبھی اس کی باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جھوٹ پر مبنی گفتگو، حقائق کے منافی بات چیت کو اپنی عملی زندگی میں ہم ایک مسلمان تو کجا ایک کافر سے بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

گویا انسانی معاشرہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا، جب تک کہ انسانوں کے درمیان معاملات اور معاہدات میں حقائق کو قبول کرنے کا طریقہ رائج نہ ہو۔ سچائی کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے، ایک دوسرے کے ساتھ دیانت داری کے ساتھ پیش نہ آئے۔ بات چیت کا طریقہ انسانیت کے مجموعی مفاد کا نہ ہو۔ انسان کی دنیاوی ترقی کے لیے یہ بھی لازمی اور بنیادی عنصر ہے کہ وہ جھوٹ کو ترک کرے اور سچائی کو اپنی زندگی میں غالب کرے۔ قرآن حکیم نے اسی بات کے لیے ایک متوازن جملہ استعمال کیا ہے کہ "قولوا قولا سدیداً" اے ایمان والو! درست گفتگو کرو، اس میں کجی نہ ہو۔ دوسرے لوگوں کو بیوقوف بنانے کا عمل نہ ہو، دیانت داری اور حقائق کی بنیاد پر اگر درست اور سچی بات کہی گئی ہے، تو وہ گویا کہ انسانیت کا اظہار ہے۔ زندگی کے تمام شعبے خواہ سیاست سے متعلق ہوں یا معیشت سے متعلق، سماجی تشکیل کی بات ہو یا اللہ سے تعلق کی بات ہو یا نبی کو ماننے کا عمل ہو، کسی کتاب پر ایمان لانے کی بات ہو۔ یہ رسمی نہیں ہے کہ زبان سے ادا کر لیا بلکہ یہ ایک ذمہ داری ہے، جس کو ہم زبان سے بھی ادا کریں اور عملاً بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اصل چیز تو اپنے کہے ہوئے جملوں اور لفظوں کی پاسداری ہے۔ اس کی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے۔ اس کے جو اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کو ذہن میں رکھنا۔ ہم معاہدۂ نکاح کرتے ہیں، لفظوں کے یہ دو بول محض رسمی گفتگو نہیں ہے، ہمیں اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کے نتیجہ میں کون کونسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ آپ نے دکان سے ایک چیز خریدی، اس دکاندار سے معاہدہ کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس معاہدۂ بیع کے نتیجہ میں اس چیز کی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور یہ چیز اس کے بعد میری ملکیت ہو جائے گی۔ اس کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار میں خود ہوں گا۔ ہر انسان سوچ کر اس معاہدۂ بیع کو سرانجام دیتا ہے۔

اسی طرح ہر مسلمان ایمان لا کر اللہ سے معاہدہ کرتا ہے۔ یہ کلمہ پڑھ لینا کوئی غیر ذمہ دارانہ بات نہیں ہے، یہ کوئی رسم نہیں کہ مسلمان والدین کے گھر میں پیدا ہوئے اور محلّہ کے امام سے کلمہ سیکھ لیا۔ اور ہم نے بھی کلمہ دہرانا شروع کر دیا۔ ایسی بات نہیں بلکہ یہ ایک معاہدہ ہے، اس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اس کے کچھ تقاضے ہیں۔ ان تقاضوں کو جاننا اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ اسی کے مطابق اپنی سوچ بنانا، ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے عمل کرنا ہے۔ یاد رکھیں! ایمان میں یہ بات داخل ہے کہ آدمی جس چیز پر یقین رکھ رہا ہے، اس کو عمل میں لانے کی نیت اور کوشش کرے۔ اصل بات یہ کہ اللہ کو ایک مان کر ایک ذمہ داری قبول کی ہے۔ وہ ذمہ داری کیا ہے، اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے میں نے کیا کرنا ہے۔ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں، تو قرآن کو ماننے کا مفہوم کیا ہے؟ سورۃ الفاتحہ سے لے کر والناس تک پورے قرآن پر ہم نے ایمان کا اظہار کیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے جو ذمہ داریاں بیان کی ہیں ہم ان کو قبول کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ قرآن میں انسانی سماج کی تشکیل کے لیے کونسے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سماج کی شیرازہ بندی کرنے کے لیے کن اصولوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ معاشرے کی سیاسی تشکیل کے لیے کن اصولوں کی رہنمائی دے رہا ہے۔

قرآن مجید کے پڑھنے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھا جائے جو کہ بطور سسٹم ہمارے سامنے آتا ہے۔ گویا کہ درست بات (قول سدید) کا مطلب یہ کہ اس بات کی ذمہ داری کو سمجھ کر پورا کرنے کی جدوجہد کرنا۔ قرآن نے اس کو بڑی وضاحت سے بیان کیا کہ ہمارے عمل کا تعلق ہمارے قول کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمارے اعمال کا دارومدار ہمارے نظریے کی درستگی پر ہے۔

(باقی صفحہ ٦)

تصوف کا خلاصہ

قطب عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ

بیان فرمودہ: حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

’’پہلے زمانے کے لوگ قوی بھی تھے، اور وہ ایسے (مشکل) مجاہدات بھی کرتے تھے، مگر اب تصوف کا بھی خلاصہ نکل آیا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ پہلے زمانے میں جو لوگ حج کو جاتے تھے، کئی سال میں پہنچتے تھے، راستہ کی تفصیل سے ان کو واسطہ پڑتا تھا، مگر اب سواریوں میں ترقی ہوجانے سے لوگ یہاں سے چلتے ہیں، ہفتے میں اور ہوائی جہاز سے تو چند گھنٹے میں جاکر حج کرلیتے ہیں، اور اسی طرح واپس آجاتے ہیں، اب اگر کوئی پہلا حاجی زندہ ہوجائے، اور آج کے حاجی صاحب سے کہے، تم حاجی ہو! بتاؤ! فلاں گاؤں کے پاس جو کیکروں کی بنی کھڑی ہے، راستہ اس کے دائیں (طرف) کو جاتا ہے، یا بائیں (طرف) کو، تو آج کل کا حاجی اس کا کوئی جواب نہ دے سکے گا، اور آئندہ شاید اس سے بھی سریع السیر (تیز رفتار) سواری نکل آئے، اور آئندہ کے حاجی کو اتنا بھی معلوم نہ ہوسکے، جو آج کل کے حاجی کو معلوم ہوجاتا ہے۔

اب یوں نہیں کہہ سکتے کہ آج کل کے حاجی کا حج نہ ہوا، یا کچھ ناقص حج رہا، وہ تو خلوص پر موقوف ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی آج کل کے حاجی کا حج، کسی ماضی کے حاجی کے حج سے (سفر کی مشقت کے اعتبار سے) کم ہو، اور خلوص کی برابری کی وجہ سے برابر ہو، اور خلوص کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ کامل ہو، ان سفروں کی مشقتوں کو حج کی حیثیت مقرر کرنے میں کوئی دخل نہیں، اور اگر کسی طرح دخل بھی مانیں، تو ان کے لیے اس دور کی مشقت، مشقت تھی، اور آج کل کے لوگوں کو آج کا سفر بھی ویسا ہی مشقت کا پڑتا ہے، یہی حال ان پہلے صوفی بزرگوں کے حالات کا ہے، جو انہیں پیش آیا، اور ان کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔ ان کتابوں کو دیکھ کر اگر کوئی کہے کہ آج کل تو مجھے ویسے حالات پیش نہیں آئے، اس لیے شاید مقصد میں کمی رہی، تو یہ بات درست نہیں ہے۔

ایک مولوی صاحب کا سوال تھا کہ اب جو صورت وصول الی اللہ کی نکالی گئی، وہ ذہنوں کے تنزل کے باعث ہے، یا (ذہنی) ترقی کے باعث (حضرت والاؒ) نے فرمایا: اس میں ترقی اور تنزل کو دخل نہیں، ہر زمانہ کے مناسب حال رنگ ہوتا ہے، اب زوائد کی ضرورت نہیں ہے، اس وقت (گزشتہ زمانے میں) زوائد کا اتنا علم نہیں ہوا، جتنا تجربات سے بعد میں علم ہوا، اور زوائد ترک کردیئے گئے، اب وصول الی اللہ۔ حج کے آسان ہونے کی طرح بالکل آسان ہوگیا ہے اب تو کچھ خواہشات کو دبانا اور کچھ ذکر کرنا، کرانا، اس سے وصول ہوجاتا ہے، باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھر کچھ نہیں کرنا، (معمولات) کرنا تو میاں عمر بھر کا ہے۔

تصوف کا یہ خلاصہ حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ وغیرہ نے نکالا ہے

وصول الی اللہ کے طریقہ کار کی یہ آسانی ہمارے اکابر کی تجویز کردہ ہے، جو اپنے زمانہ کے تصوف کے مجتہد اور حاکم ہوئے نہ کہ مقلد و محکوم۔

مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری نے دریافت کیا کہ یہ جو نیا اور آسان طریق کار نکالا گیا ہے، یہ کن اکابر نے نکالا ہے، حضرت رائے پوری ثانی نے فرمایا: یہی حضرت حاجی صاحبؒ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی رحمہم اللہ وغیرہ اکابرین مراد ہیں، اور ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میرا خیال ہے، کہ وہ تصوف پر حاکم تھے، ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: ’’مولوی صاحب! جس طرح ہر بات کا خلاصہ اور روح نکل آتی ہے، تصوف کا بھی اب خلاصہ نکل آیا ہے‘‘ حضرت بہاولنگریؒ نے ایک دفعہ چلہ کے لیے عرض کیا، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’چلہ کیا ہوتا ہے؟ اعتکاف کہو‘‘ اور فرمایا: لوگ باہمت ہیں، جو بھوک پیاس کاٹتے ہیں، اور شدائد برداشت کرتے ہیں، مقصود تو اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی عنایت فرمادیتے ہیں‘‘۔

ملفوظات

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مرتب: پروفیسر قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

(۱) علم نافع جس کا احادیث مبارکہ میں دعا کے طور پر ذکر ہے وہ ہی اصل علم ہے۔ وہ نافع اس وقت بنتا ہے جب انسان صحبتِ صالح کے ماحول سے وابستہ رہے۔

(۲) دورِ زوال میں فرسودہ نظریہ پیدا ہوتا ہے، جس سے فرد ذہنی طور پر شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتا ہے۔ حق کا نظریہ افراد میں کیسے پیدا ہوگا اس کے لیے اکابرین اہل حق اور ان کے اسوۂ عمل کا تعارف پیدا ہونا ضروری ہے۔

(۳) ترقی کی تعریف یہ ہے کہ پورا سماج اور معاشرہ ترقی کرے۔ اگر کسی خاص علاقہ میں صرف ایک کمپنی یا ایک طبقہ ترقی کررہا ہو تو اس کو سماجی ترقی نہیں کہہ سکتے ہیں۔

(۴) انفرادیت اور ذاتی مفادات کا عمل فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اجتماعیت کا حکم دیتا ہے۔ (مجلس حضرت رائے پوری مدظلہٗ، راولپنڈی، مؤرخہ 24-01-04)

(۵) سیاسی نظام میں جو غلطی پیدا ہوتی ہے، اس کا نقصان صرف چند افراد تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے پوری قوم تباہ ہوجاتی ہے۔ (مجلس حضرت رائے پوری مدظلہٗ، راولپنڈی، مؤرخہ 13-12-02)

(۶) قرآنِ حکیم میں جن اقوام پر عذاب کا تذکرہ ہے، اس میں عذاب کے نزول کا سبب ملأ و مترف اور مستکبرین یعنی خوشحال و مال دار طبقے کو قرار دیا ہے۔ یہ طبقہ مال و وسائل کے زور اور قوت سے قانون کو غیر مؤثر کردیتا ہے۔

(۷) دل مرکزِ اخلاق ہے، اس لیے اس مرکز میں صرف اللہ کی محبت ہونی چاہیے، اس کا ذریعہ کثرت سے لاالٰہ الا اللہ کا ذکر ہے کہ اولاً سب مخلوق کی نفی ہو اور پھر اللہ جل جلالہ کا اثبات۔ (مجلس حضرت رائے پوری مدظلہٗ، مؤرخہ: 21-07-02، بمقام لارنس کالج مری،)

(۸) غفلت بڑا گناہ ہے۔ غفلت اس چیز کا نام ہے کہ اعمال ظاہری طور پر ہوں دل کی گہرائی سے ادا نہ کیے جائیں۔ اس لیے غفلت سے ادا کیے جانے والے اعمال نتائج نہیں پیدا کرتے۔

(۹) اسلام سب سے زیادہ ترجیح جماعت اور تنظیم پیدا کرنے کو دیتا ہے، اس کے لیے تعلیم و فلسفہ ایک ہوگا، اس میں تفریق نہ ہوگی۔

(۱۰) طریقت نام ہے اپنی غفلت دور کرکے اعمال میں عشق پیدا کرنے کا تاکہ رسمیت ختم ہو۔

(۱۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں انقلاب کے بعد مقامی باشندوں سے میثاق مدینہ کرکے مکہ کے نظامِ سیاست کو محدود کردیا اور کم طاقت ہونے کے باوجود معاہدات کے ذریعہ طاقتور ہوگئے۔

(۱۲) عبادات کے ذریعہ روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت آتی ہے، اس کے نتیجہ میں صفاتِ الٰہیہ کا پرتو انسان پر پڑتا ہے تو اس میں اخلاق الٰہی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی انسان علم و رحمت اور عدل وغیرہ کا وارث بن جاتا ہے اور یہی انسانیت کا کمال ہے۔ اور یوں انسان سچا و متقی انسان بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسے انسان سے اصلاحِ عالم کا کام لیتا ہے۔ (مجلس حضرت رائے پوری مدظلہٗ، مؤرخہ: 20/02/02ء کو مری کے سفر کے دوران)

(بقیہ: ایک سفر) نے شرکت کی۔ رات کا قیام بورے والا میں رہا۔ اگلے روز 20 جنوری کو بورے والا سے عارف والا آئے۔ جناب عبدالخالق رتھا ایڈووکیٹ اور دیگر احباب سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد مولانا سید اطہر شاہ صاحب کی دعوت پر دیپالپور جانا ہوا۔ جہاں نماز ظہر ادا کی اور نوجوان دوستوں سے شعوری حوالے سے حالاتِ حاضرہ پر گفتگو ہوئی۔ کھانا کھایا اور ایک مدرسہ میں دعا کی۔ بعد ازاں دیپالپور سے روانہ ہوکر رات آٹھ بجے تک لاہور ادارہ میں پہنچنا ہوا۔ یوں چار روزہ سفر اختتام پذیر ہوا۔

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

جوابات از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی
شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس پر قربانی واجب ہے وہ قربانی کا بجٹ کم اور جانور مہنگے ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا۔ کیا وہ رقم جس سے وہ جانور خرید کر قربانی کرنا چاہتا تھا، اس رقم کو ایک مقروض شخص کو صدقہ دے دے، تو قربانی کا اجر اس کو مل جائے گا؟ اور واجب قربانی کی ادائیگی سمجھی جائے گی؟ سائل: محمد اویس کو یئیز سنٹر، لاہور

جواب: اگر قربانی واجب تھی اور کسی وجہ سے قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کر سکا، تو قربانی کا جانور یا اس کی قیمت کو صدقہ کرے۔ اور ایسا مقروض شخص جس کے پاس قرض ادا کرنے کے بعد، نصاب زکوۃ موجود نہ ہو، تو اس کو قربانی کے دنوں میں ذبح نہ ہونے والا جانور یا اس کی قیمت بطور صدقہ دی جا سکتی ہے۔ قال صاحب الدر المختار: ولو تركت التضحية ومضت ايامها تصدق بها حية وقال الشافعیؒ وان تصدق بقيمتها اجزأه ايضاً
(كتاب الاضحيه ص ۵۳۱ ج ۹)

(۲) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص مسمی غلام مصطفیٰ فوت ہو گیا جس کی کوئی اولاد نہیں اور ورثاء میں ایک بیوہ، چھ بھتیجے، ایک بھائی امید علی اور ایک ہمشیرہ، تقسیم وراثت سے قبل بھائی امید علی کا انتقال ہوا، جس کے ورثاء میں ایک ہمشیرہ، چھ بھتیجے مذکورہ بالا موجود ہیں۔ اور متوفی امید علی غیر شادی شدہ تھا، جب کہ والدین پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ از روئے شریعت غلام مصطفیٰ کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی۔

جواب: بعد ادائے حقوق متقدمہ مترتبہ (تجہیز و تکفین و ادائیگی قرض و اجرائے وصیت از ثلث) متوفی غلام مصطفیٰ کی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کے چوبیس حصے کیے جائیں۔ جس میں سے چھ حصے بیوہ اور بارہ حصے ہمشیرہ اور ایک ایک حصہ ہر ایک بھتیجے کو ملے گا۔

(۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی مملوکہ اراضی تین لڑکیوں کے نام رجسٹری کرا دی، جو شرعی طور پر اس کی وارث ہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر کوئی شخص شرعی وارث نہ ہے۔ اور زبانی طور پر لڑکیوں نے یہ عہد کیا کہ ہم زندگی میں اراضی کا کوئی مطالبہ نہیں کریں گی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ لڑکیاں اپنے حصے کا والد کی زندگی میں مطالبہ کر رہی ہیں، جب کہ قبضہ اور انتقال اراضی ابھی تک والد کے نام ہے۔ کیا شرعاً وہ لڑکیاں اپنے والد کی زندگی میں ان کے نام رجسٹری شدہ زمین کے حصے کا مطالبہ کر سکتی ہیں؟

جواب: مذکورہ زمین کا مالک لڑکیوں کا والد ہی ہے لہٰذا اس کی زندگی میں رجسٹری کی بنیاد پر اپنے حصے کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

(۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے چچا نے باپ کی اجازت و رضا کے بغیر کر دیا۔ لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر رضامند نہیں، شرعاً اس نکاح کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: نابالغہ کا نکاح باپ کی موجودگی میں اس کی اجازت و رضا کے بغیر کسی کو کر دینے کا حق نہیں، اگرچہ نکاح کر دینے والا چچا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے شرعی طور پر لڑکی اپنی مرضی سے بالغ ہونے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ (وفی الفتاوی الہندیہ: وان زوج الصغیر علی الصغیرہ الابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضراً وھو من اہل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ ص ۱۰ جلد دوم کتاب النکاح)

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

رحیمیہ لائبریری کے لیے عطیہ کتب

ادارہ رحیمیہ میں ''رحیمیہ لائبریری'' ادارہ کے قیام سے ہی کام کر رہی ہے۔ اس لائبریری میں جہاں کتب خریدی جا رہی ہیں، وہاں احباب بھی اپنی گرانقدر کتب جمع کرا رہے ہیں۔

یہ بڑی خوشخبری کی بات ہے کہ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے عزیز ترین شاگرد حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے صاحبزادگان، محترم جناب رانا بلال احمد اور محترم جناب رانا ہلال احمد صاحبان نے ''رحیمیہ لائبریری'' کے لیے حضرت مولانا لدھیانویؒ کی کتابیں عنایت فرمائی ہیں۔ ایک سو سے زائد کتب، جو حضرت مولانا کے زیر مطالعہ رہیں، ''رحیمیہ لائبریری'' میں آئی ہیں، جن میں چند کتب قلمی (مخطوطات) کی صورت میں بھی ہیں۔ لائبریری میں حضرت مولانا لدھیانوی کے نام سے ''گوشہ کتب'' بنا دیا گیا ہے، اور اس پر تحقیقی کام جاری کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے صاحبزادگان کو جزائے خیر عطاء فرمائے کہ انہوں نے اپنے جلیل القدر والد محترم کے عمدہ ذخیرۂ کتب سے استفادۂ عام کا موقع عنایت فرمایا۔ جزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء

اسی طرح ''رحیمیہ لائبریری'' کے لئے جناب زاہد جاوید اسد ایڈووکیٹ صاحب گوجرانوالہ، نے مروجہ پاکستانی (دیوانی و فوجداری) قوانین اور انکے ضابطے، آئین 1973، مقدمات کی بابت کیس لاء (1996 تا PLD/PLJ2006) اور دیگر متفرق کتب ہدیہ کی ہیں جس سے ادارہ کی لائبریری میں شعبہ قانون کی کتب کا گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ اس سے جہاں انکی علم دوستی کا پتہ چلتا ہے وہاں ہمارے لئے بھی دعوت عام ہے کہ ہم ادارہ کی لائبریری سے خود استفادہ کریں اور اسکو مزید سجانے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ امید ہے نئی کتب کی آمد سے دوست زیادہ سے زیادہ علمی پیاس کو بجھائیں گے۔ احباب اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ توجہ فرمائیں۔

(بقیہ: خطبہ جمعۃ المبارک)

اگر ایک بات کہی گئی اور عمل کچھ اور کیا گیا، تو اس کے نتائج درست نہیں نکل سکتے۔ یہ دنیا کا خسارہ اور ناکامی بھی ہے اور آخرت کا خسارہ اور ناکامی بھی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے مسلمان جماعت کو خاص طور پر ان ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے، جو مسلمان اپنی بات چیت کو بطور ذمہ داری کے قبول کرے وہ سچا ہے۔ اور جو مسلمان اپنی بات کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور اس کو عمل میں لانے کے لیے تیار نہیں، تو گویا کہ اُس نے جھوٹ کو قبول کر لیا۔ منافقت کو قبول کر لیا۔ ایک مسلمان جماعت ایسی غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ذمہ داری کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ اس کے رویے درستگی کی بنیاد پر آگے بڑھتے ہیں، اس میں خلا اور جھول نہیں ہوتا۔ مسلمان جماعت اپنے مقاصد اور اہداف کو مدنظر رکھ کر جدوجہد اور کوشش کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا (يغفر لكم ذنوبكم) کہ اگر کبھی کبھی قول و عمل میں غلطی ہو گئی، تو اس کو معاف کر دے گا، لیکن شرط یہ کہ اس غلطی کو مستقل عادت نہ بنا لے۔ مقصد اگر درست ہو، تو راستہ میں لگنے والی ٹھوکریں راستہ روک نہیں سکتیں۔ ان پر توجہ نہیں دی جاتی، لیکن اگر راستہ ہی غلط ہو، غلطی عادت بنالی جائے، رویے غلط ہو جائیں، تربیت کا انداز اور اسلوب غلط ہو جائے، نظریے کو عمل میں لانے کی کوئی سوچ ہی موجود نہ ہو، شعور ہی ختم ہو جائے، تو نتائج خطرناک ہوتے ہیں۔

آج ہمارا معاملہ یہی ہے کہ ہم جس دین کو مانتے ہیں اس کو عمل میں لانے کی نیت اور جذبہ، اس کا سسٹم قائم کرنے کا شعور، جرأت اور ہمت ہمارے دل و دماغ سے نکل گئی ہے۔ ہم نے سارے کام بطور رسم کے کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ اور جب کہ آج ضرورت اس ارادے اور عزم کی ہے، کہ جو دین کے حوالہ سے ہم ذمہ داریاں قبول کر رہے ہیں۔ ان کو پورا کرنے کی جدوجہد کریں اور جس قرآن پاک کو ہم پڑھتے ہیں، اس کے سسٹم کو غالب کرنے کی جدوجہد کریں، یہ ہماری زندگی کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔ اس کے نتیجہ میں یقیناً ہمیں دنیا اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوگی۔ آمین

ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ کا ایک سفر

(رپورٹ: سید فرمان شاہ)

17 رجنوری 2009ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے ناظمِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد نے ادارہ میں جمعۃ المبارک ادا کرنے کے بعد ہارون آباد کا سفر کیا۔ راستہ میں عارف والہ راؤ منظور احمد خاں کے گھر تھوڑی دیر قیام کیا۔ کھانا کھایا اور رات دیر گئے ہارون آباد پہنچ گئے۔ اگلے روز 17 جنوری کو جامعہ تعلیم القرآن ریلوے مسجد ہارون آباد کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحیم طاہر نے جامعہ میں بعد از نماز ظہر ایک تقریب کا اہتمام کیا ہوا تھا، جس میں دو ۲ بچوں کے حفظ القرآن کی تکمیل ہونا تھی مفتی صاحب نے اس میں شرکت فرمائی۔ ماشاءاللہ ان بچوں نے قرآنِ حکیم کا آخری سبق مکمل کیا۔ اس موقعہ پر مفتی صاحب نے ''قرآنِ حکیم کی عظمت، اس کی اہمیت اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر بیان کیا۔ عصر کی نماز کے بعد احباب سے ملاقات کی۔ اسی دوران چشتیاں سے حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب مہتمم جامعہ اشاعت العلوم ومجاز حضرت رائے پوری اور حضرت مولانا رانا ارشاد احمد خاں صاحب مہتمم جامعہ عثمانیہ کی مسجد حسین کالونی بھی ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ مغرب کی نماز کے بعد ریلوے مسجد میں ہی مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ گرد و نواح کے علماء اور متعلقین خانقاہ رائے پور نے شرکت کی۔ نماز عشاء کے بعد پورے ضلع سے آئے ہوئے احباب سے استفادہ نشست کا اہتمام تھا۔ اس میں حالات حاضرہ، دینی تعلیم و تربیت کے حوالے سے سوالات ہوئے۔ ان کے جوابات حضرت مفتی صاحب نے دیئے اگلے روز 18 رجنوری کو چشتیاں کے احباب کی دعوت پر وہاں کا سفر ہوا۔ اس سے پہلے مولانا غلام مرتضیٰ کی دعوت پر ''شہر فرید'' جانا ہوا۔ ظہر کی نماز جامع مسجد شہر فرید میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد حاجی محمد ریاض لکھویرا صاحبان سے نواب فیروز خاں کے انتقال پر تعزیت کی۔ ان حضرات کا تعلق حضرت رائے پوری کے ساتھ رہا ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے کئی رمضان شہر فرید میں ہوئے، جس میں ان مخلصین نے بڑی خدمت کی۔ اور اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ بعد ازاں مولانا غلام مرتضیٰ صاحب نے ادارہ رحیمیہ میں قائم ''رحیمیہ لائبریری'' کے لیے قیمتی کتب عنایت فرمائیں اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے۔ شہر فرید سے روانہ ہو کر نماز عصر چشتیاں میں حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی مجاز حضرت رائے پوری کے ہاں ادا کی، مغرب تک ان سے ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں نماز مغرب جامعہ اشاعت العلوم چشتیاں میں حضرت مولانا مفتی عبد القدیر صاحب کے ہاں ادا کی۔ مغرب کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ جس میں علاقہ بھر سے احباب سلسلہ عالیہ رائے پور نے شرکت کی۔ یہاں بھی ذکر کے بعد دینی تعلیم و تربیت کے حوالہ سے سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ رات کا قیام چشتیاں میں ہوا۔ اگلے روز 19 جنوری صبح کو محترم حضرت مولانا عبدالقادر دین پوری جانشین حضرت مولانا محمد یحییٰ بہاولنگریؒ کی دعوت پر ''خانقاہ دین پور شریف'' آنا ہوا۔ صبح کی چائے یہاں پی۔ مولانا لطیف الرحمٰن ناظم مدرسہ بھی تشریف فرما تھے۔ کچھ دیر قیام کے بعد نورارتھ جانا ہوا۔ جہاں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت خاں محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کی تعزیت ان کے صاحبزادے حاجی محمود حسن صاحب اور دیگر متعلقین سے کی، کچھ دیر یہاں قیام رہا، بعد ازاں عارف والا شہر میں جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب سے ان کے مکان پر ملاقات کی۔ کچھ دیر قیام کے بعد بورے والا میں حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی مہتمم جامعہ خدیجۃ الکبریٰ و مجاز حضرت رائے پوری کے ہاں حاضری ہوئی۔ نماز ظہر یہاں پر ادا کی۔ بعد ازاں ان کی معیت میں چیچہ وطنی جانا ہوا۔ جہاں راؤ حفیظ الرحمٰن کے مکان واقع ''گلشن حرمت'' کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور دعا کی گئی۔ کھانا کھایا اور پھر واپس بورے والا آنا ہوا۔ نماز مغرب جامعہ خدیجۃ الکبریٰ میں ادا کی، اور بعد نماز مغرب مجلس ذکر منعقد ہوئی، جس میں گرد و پیش کے احباب سلسلہ رائے پور۔ (باقی صفحہ نمبر ۵)

سبق آموز

انجینئر عامر افتخار

(۱) ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ علاقۂ شام سے واپس آئے، تو آپ تنہا ہو کر لوگوں سے حالات دریافت کرنے لگے۔ ایک دفعہ آپ ایک بڑھیا کے پاس سے گزرے اور اُس سے اس کا حال دریافت فرمانے لگے۔ بڑھیا نے پوچھا عمرؓ کا کیا حال ہے؟ حضرت عمر: بڑھیا وہ ابھی شام سے واپس آئے ہیں۔ بڑھیا: اللہ میری طرف سے انہیں جزائے خیر نہ دے۔ حضرت عمرؓ: کیوں؟ آخر سبب کیا ہے؟۔ بڑھیا: جب سے وہ خلیفہ ہوئے ہیں، مجھے آج تک بیت المال سے ایک پیسہ نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ: عمرؓ کو تیرا حال معلوم نہیں۔ بڑھیا: سبحان اللہ! یہ آپ نے کیا کہا، جو شخص خلیفہ ہو اور پھر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ مشرق و مغرب کے درمیان کیا ہو رہا ہے، میری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس بڑھیا کے یہ الفاظ سُن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور کہنے لگے۔ اے عمرؓ تجھ پر افسوس ہے۔ تیری رعایا تجھ سے کیسے جھگڑتی ہے۔ ہر شخص تجھ سے زیادہ فقیہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے بڑھیا سے کہا: اے بڑھیا تو اپنی دادخواہی کتنے میں فروخت کر کے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو سکتی ہے۔ میں عمر کو اس پر راضی کر لوں گا۔ بڑھیا نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے میرے ساتھ تمسخر نہ کرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: بڑھیا میں آپ سے تمسخر نہیں کرتا۔ الغرض آپ نے بیس ۲۰ درہم میں اس کی دادخواہی خرید لی اور اس بڑھیا سے رخصت ہونے کو ہی تھے کہ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ السلام علیک یا امیر المؤمنین کہتے ہوئے آ موجود ہوئے۔

بڑھیا امیر المؤمنین کا لفظ سنتے ہی سخت پشیمان ہوئی اور افسوس کرنے لگی کہ اس نے امیر المؤمنین کے روبرو انہیں برا کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے بڑھیا! افسوس نہ کر تو نے جو کچھ کہا بالکل بجا کہا ہے، تو نے کوئی الزام کی بات نہیں کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے پوستین کے ایک ٹکڑے پر جو عبارت لکھی، اس کا ترجمہ یہ ہے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ تحریر ہے اس امر کے متعلق کہ عمرؓ نے فلاں بڑھیا سے اپنی ابتدائے خلافت سے اب تک اس کی دادخواہی بیس ۲۰ درہم میں خرید لی۔ اب وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرے، تو میں اس سے بری ہوں۔ علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اس پر گواہ ہیں''۔

(۲) حضرت عمرؓ مختلف شہروں کے گورنروں کے حالات ہمیشہ تفتیش کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اہل حمص سے دریافت کیا کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ہمارا امیر نہایت اچھا آدمی ہے۔ ہم اس میں صرف ایک نقص پاتے ہیں کہ اس نے اپنی رہائش کے لیے ایک محل بنوالیا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر آگ بگولا ہو گئے۔ اسی وقت ایک قاصد روانہ کیا اور اسے حکم دے دیا کہ امیر کے محل پر پہنچتے ہی لکڑیاں جمع کر کے محل کے دروازے میں آگ لگا دے۔ لوگوں نے فوراً امیر کو اطلاع دی کہ ایک شخص لکڑیاں جمع کر کے دروازے میں آگ لگا رہا ہے۔ امیر نے کہا لگانے دو! یہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کا قاصد ہے۔ پھر حمص کے امیر خود قاصد کے پاس آئے اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کا حکم پڑھتے ہی سوار ہو کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس امیر کو تین دن دھوپ میں رکھو چنانچہ انہیں تین دن دھوپ میں رکھا گیا۔ چوتھے روز حضرت عمرؓ اپنے ہمراہ انہیں سنگستان میں لے گئے۔ اس سنگستان میں زکوٰۃ کے اونٹ بندھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے امیر کو پہننے کے لیے ایک کمبل دیا اور امیرانہ لباس اتروالیا اور حکم دیا کہ ان تمام اونٹوں کو پانی بھر بھر کر پلاؤ!۔ جب وہ تمام اونٹوں کو پانی پلا کر فارغ ہوئے تو تھک کر چُور ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیوں، تھک کر چُور کیوں ہو گئے، پہلے بھی تو یہی کام کرتے تھے۔ امیر نے عرض کی: امیر المؤمنین! اس کام کو چھوڑے ہوئے مدت گزر گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر اسی لیے تم نے بالا خانہ بنوایا تھا اور مسلمانوں سے اونچے ہو ہو کر سوتے تھے۔ اب اپنے عہدے پر جاؤ مگر آئندہ کبھی ایسا کام نہ کرنا۔

دینی تعلیم وتربیت میں خیرخواہی کی اہمیت

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

بمقام: ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

مؤرخہ: ۲۶ محرم الحرام/ 25 جنوری 2009ء بروز اتوار

(ادارہ رحیمیہ میں مؤرخہ: ۲۶،۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ بمطابق 25,24 جنوری 2009 کو علوم اسلامیہ کورس کے اساتذہ کرام کی تربیتی ورکشاپ ہوئی، اس کے اختتامی اجلاس سے حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے درج ذیل نصیحت آمیز خطاب فرمایا)

نحمدہ' ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اللہ تعالیٰ نے ایک طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ آپ کے تربیت یافتہ افراد کی سیرت بیان کرنی شروع فرمادی کہ " اشداء علی الکفار رحماء بینھم "

میرے عزیز دوستو! یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ سارا (تربیتی) پروگرام اس لیے ہے کہ اپنی ذات میں شعور پیدا کیا جائے۔ دینی عقل کو بڑھایا جائے اور اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کریں۔ "خیر الناس من ینفع الناس" (انسانوں میں سے بہتر وہ ہے جو انسانیت کو نفع پہنچائے) ہم طالب علم کو اپنی اولاد خیال کرتے ہوئے محبت وشفقت سے ان کو متاثر کریں۔ یہ بہت بڑا عملی میدان ہے۔ جتنا آپ اس میں محنت سے کام کریں گے اتنا آپ کا شعور اور عقل بڑھے گا، آپ کی محنت اور شاگردوں سے آپ کا تعارف بڑھے گا۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ آپ کی تربیت کی وجہ سے لوگوں میں کشش پیدا ہو اور وہ اپنی اولادوں کو آپ کی تربیت میں دیں۔

آج کے دور میں صرف پڑھنے اور پڑھانے کا عمل تو موجود ہے، لیکن تربیت کی بڑی کمی ہے۔ تاریخ کے بہترین ادوار کے اندر بھی اداروں سے علم حاصل ہوتا تھا۔ بڑے بڑے محدث پیدا ہوتے تھے اور تربیت کے لیے خانقاہی نظام تھا جہاں تربیت حاصل کرتے تھے۔ جتنے بڑے بڑے آئمہ اور محدثین ہیں ان میں تربیت اور صحبت اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔

علم جب تک نافع نہ بنے اس وقت تک یہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ ہر علم پہلے سے علم نافع نہیں بنتا بلکہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ مفاد پرستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (بغیر تربیت کے عالم اپنے) علم کو بیچتا ہے۔ لیکن جب وہ تربیت اور شیخ کی صحبت میں آتا ہے تو وہ علم، علم نافع ہو جاتا ہے۔

ایک شاگرد نے ایک بزرگ سے دعا کی درخواست کی کہ حضرت مجھے علم آجائے تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی علم سے تو تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے، آپ علم نافع کی دعا کریں۔ حضورؐ نے بھی یہی دعاء سکھائی کہ علم نافع حاصل ہو۔ آج کے دور میں بغیر تربیت کے علماء سوء پیدا ہوتے ہیں دنیادار علماء پیدا ہو رہے ہیں۔ جب تک نظام تعلیم اور تربیت وتبلیغ کا سارا نظام خانقاہوں کے تابع رہا اور تمام اساتذہ بھی صاحب نسبت ہوتے تھے تو اس کے نتیجہ میں علماء حق پیدا ہوتے تھے۔ جب کہ آج کے دور میں تمام شعبے الگ الگ ہیں۔ ان میں کوئی اجتماعیت نہیں۔ علماء پیدا ہوتے ہیں تو تربیت نہیں ہوتی۔ خانقاہوں سے صوفی پیدا ہوتے ہیں تو علم نہیں ہوتا اور پھر آگے غلبہ دین کا ماحول بھی نہیں ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے یہ ادارہ رحیمیہ کی بڑی خصوصیت ہے کہ ہم شریعت، طریقت اور سیاست تینوں کو سامنے رکھ کر تربیت کریں۔ یہی خصوصیت جماعت حقہ کی ہمیشہ رہی ہے اور تعلیم کے میدان میں آکر ہم " خیر الناس من ینفع الناس " کا اخلاق اپنے اندر پیدا کریں۔ اور اس میدان میں تربیت بڑی ضروری ہے اور یہ جو اجتماعی طور پر (تربیتی ورکشاپ میں) ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی صورت ہوتی ہے جو کہ ان دو دنوں میں آپ نے اختیار کی ہے اس سے ذہن بڑھتا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ آپ کے سینئر دوست آپ کے سامنے آتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں تو اس طرح کتنا نفع ہو جاتا ہے اور ہماری کمی دور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں موجودہ حالات کے تقاضے سے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آج جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مذہبی طبقہ سے نفرت اور دوری پیدا ہو رہی ہے اس لیے کہ ان کا اخلاق، تربیت اور رویے درست نہیں ہیں اور ان میں انسانی ہمدردی کی بات نہیں ہے۔ خیرخواہی نہیں ہے۔ اس وقت بڑی ضرورت ہے اخلاق کو درست کرنے کی،

ڈاکٹر وہ کامیاب ہوتا ہے کہ جب مریض اس کے سپرد ہو جائے تو وہ اس کا علاج کرتا ہے۔ ڈاکٹر میں مریض کی صحت وعافیت کا جذبہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہمیں ان شاگردوں پر بڑی شفقت کرنی ہوگی تاکہ دین اور ہدایت کے قریب ہو جائیں۔ جب کہ نظام اور ماحول اس کو دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں میں ان کلاسوں کی صحیح افادیت ڈالے، درست جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو اور ہم یہ خیال کریں کہ اس سے ہم خود اپنا ایمان بڑھا رہے ہیں، اپنے میں شعور پیدا کر رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ جو ہم شاگرد پر محنت کر رہے ہیں، اس کا سب سے پہلا فائدہ میرا اپنا ہے کیوں کہ جب آدمی پڑھاتا ہے تو اصل میں تو علم اس وقت حاصل کرتا ہے۔ جو علم بغیر عقل وشعور کے ہوتا ہے وہ گمراہی پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس راستہ میں قبول فرمائے۔ آمین

دعا

از قلم
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی مدظلہٗ العالی
مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

میرے مالک ، پالنے والے خدا — راہِ حق پر استقامت ہو عطا
میرے رب! طول عمر ،حسنِ عمل — اتباع سنت خیر الرسل
اتباع سنت خیر الرسل — ہے یہی میرے لیے خیر السبل
"امر لایعنی" سے رب مجھ کو بچا — بس تجھے تجھ ہی سے ہوں میں مانگتا
نفس وشیطان کے مکائد سے بچا — شرِ خلق و شرِ دنیا سے پناہ
سر پر اوڑھوں چار ترکوں کا کلاہ — چاروں شرکوں سے مجھے یا رب بچا
چشمِ ہمت غیر کو دیکھے ؟ ... بچا — قرب تیرا ، میرے رب ، تیری رضا
حج بیت اللہ میرے یارب نصیب — روضۂ نبوی پہ ہو حاضر غریب
فضل تیرا بے شمار ، اے بے نیاز — میں ہوں بندہ ، تو شہا ! بندہ نواز
اتباع ظن وتخمین سے بچا ! — صاحب علم ویقیں مجھ کو بنا
"ہست دینِ مصطفیٰ ، دینِ حیات — شرع او تفسیر آئین حیات"
غلبۂ دیں کے لیے زندہ رہوں — غلبۂ دیں کی بہاریں دیکھ لوں
صدق سے اخلاص سے دل شاد کر — بندۂ علوی یہی فریاد کر
تیری راہ پر باادب ہوکر چلوں — خاتم بالخیر ہو، جب میں مروں
التجا میری یہی ہے مختصر ! — مغفرت ، رحمت ، کرم کی ہو نظر
قبر کی وحشت سے رب مجھ کو بچا — ہو محبت شاہ ختم الانبیاء
ہو لوائے حمد کا سایہ نصیب — روز محشر ؟ صدقۂ حُبِّ حبیب
ہوں جناں میں خادم ختم الرسل — سیدی ختم الرسل ، ہادی السبل

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ/ 18 ستمبر 2008ء